حضرت نوح، حضرت ابراھیم اور حضرت یوسف علیہم السلام کی دعاؤں کی عظمت اور ان کی قبولیت کے راز

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ / اپریل ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

گزشتہ دو جمعوں سے یہ مضمون چل رہا ہے کہ خدا کی راہوں پر قدم مارنے والے اللہ تعالیٰ کی راہ کے مسافر رستے کی صعوبتوں اور مشکلات کو کیسے برداشت کرتے ہیں اور کس طرح ان تکالیف پر غالب آتے ہیں جو خدا کی راہ میں چلنے والوں کو پہنچتی ہیں۔ قرآن کریم اس کا جواب ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ یہ معجزہ دعا کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتا ہے ورنہ انسان کے اپنے بس میں نہیں کہ خدا کی راہ پر چلتے ہوئے اس کی تکالیف کو صبر اور رضا کے ساتھ کلیۃً برداشت کر سکے اور پھر بجائے مشکلات سے مغلوب ہونے کے غالب بن کر ابھرے پس یہ دو اکٹھی باتیں ہیں جو دعاؤں کا پھل ہیں۔ صرف انبیاء ہی کی نہیں بلکہ دیگر انعام یافتہ لوگوں کی دعاؤں میں سے ان دعاؤں کو قرآن کریم میں محفوظ فرما دیا جو اللہ تعالیٰ کو پسند آئیں اور جن کو امت محمدیہ کے لئے بطور نمونہ محفوظ رکھا گیا۔ ایسی ایسی پرانی قدیم دعائیں ہیں اور ایسے ایسے وقت میں ہوئی ہیں جبکہ کوئی ان کا گواہ موجود نہیں تھا۔ ایک ابراہیم علیہ السلام تھے اور ایک ان کا بیٹا اور ایسی بھی دعائیں تھیں جبکہ بیٹا بھی نہیں تھا۔ اکیلے ابراہیمؑ جنگل بیابان میں دعائیں کر رہے ہیں۔ وہ دعائیں بظاہر ہمیشہ کے لئے فضاؤں میں کھوئی گئیں اور ان کا کوئی وجود باقی نہیں رہا۔ کتنی مدت کے بعد؟ ہزاروں سال بعد حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے دل پر وہ دعائیں

الہام کی گئیں اور آپ کو بتایا گیا کہ میرے بندے ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح لق ودق صحرا میں یہ دعائیں کی تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دعائیں بہت ہی قیمتی خزانہ ہیں اور جن لوگوں کے لئے ان دعاؤں کو محفوظ کیا گیا اگر وہ ان سے فائدہ نہ اٹھائیں تو کتنی بدنصیبی ہوگی۔ پس دنیا کے خزانوں کے پیچھے تو لوگ بہت محنت کرتے ہیں مگر وہ خزانے جو قرآن میں مدفون ہیں ان پر سے سرسری نظر سے گزر جاتے ہیں حالانکہ اگر ان میں ڈوب کر دیکھیں تو جو چیزیں بظاہر دلچسپی کا موجب نہ بھی دکھائی دیتی ہوں غور کرنے کے بعد ان میں سے نئی نئی لذّت کے مضامین نکلتے ہیں اور انسان کے دل پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

اب اس سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والوں کی یہ دعا میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو قرآن کریم نے سورۂ یونس آیت ۸۶۔۸۷ میں بیان فرمائی ہے۔ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۸۶﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے کہا کہ خدا پر ایمان لے آؤ تو ان میں سے جو ایمان لے آئے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا اس موسیٰ پر ایمان لانا تو بہت مشکل ہے اور تھا بھی وہ فرعون کا زمانہ اور ایسا جابر فرعون کہ جس کا ذکر بحیثیت ایک جابر فرعون کے تاریخ میں محفوظ ہے اور خود وہ اپنے جبر کا احساس رکھتا تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ میرے سوا عبادت کے لائق کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ کی آواز پر یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں بہت بڑا دعویٰ ہوتا اور یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ ہم اس دنیا سے کلیۃً مر مٹنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ پس اس لئے انہوں نے آغاز ہی میں یہ کہا فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا مشکل کام ہے لیکن جس خدا پر توکل کر کے ہم آگے بڑھ رہے ہیں وہ بچانے والا بھی ہے وہ ہر ظالم کے اوپر غالب آسکتا ہے، ہر جابر سے بڑھ کر طاقتور ہے۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اے خدا ہمیں ظالموں کی قوم کے لئے فتنہ نہ بنانا۔

یہاں فتنہ کا مضمون بہت دلچسپ رنگ میں دہرے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں فتنہ، دین کے زبردستی بدلنے کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ اگر جبر کے ذریعے تکلیفیں دے کر کسی کو اس کا دین بدلنے پر مجبور کیا جائے تو اس کو فتنہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم

میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرہ:۱۹۴) اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ جب دنیا سے فتنہ اٹھ جائے۔ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ اور دین بالآخر اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ کسی چیز اور زور کا محتاج نہ رہے دین آزاد ہو جائے تو رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ میں ایک مطلب یہ ہے کہ اے خدا! ہمیں ان کا تختہ مشق نہ بنا۔ وہ جبر اور ظلم اور تعدی کے ذریعے دنیا میں اپنا دین پھیلانا چاہتے ہیں اور دین حق کو مٹانا چاہتے ہیں۔ پس ان معنوں میں ہمیں فتنہ نہ بنا کہ ہم ان کے تختہ مشق بن جائیں اور وہ ہم پر آزمائشیں کرتے پھریں۔

فتنہ کا دوسرا مطلب ہے۔ ٹھوکر کا موجب نہ بنا کیونکہ فتنہ کا ایک مطلب ٹھوکر ہے۔ پس اے خدا! جب ہم نے دین کو قبول کر لیا ہے تو ایسی کمزوریاں ہم میں نہ ہوں جن کو دیکھ کر وہ کہیں جی! یہ مومنین ہیں یہ یہ غلطیاں ان سے سرزد ہوتی ہیں، لوگوں کو پاک کرنے والے ہیں آپ اتنے گناہوں میں ملوث ہیں پس ہر قسم کی غلطیوں سے پاک کرنے کی دعا بھی اسی کے اندر داخل ہو گئی۔

پھر فتنہ کے دونوں معنوں کا ایک ملاپ بھی اس کے اندر شامل ہے مطلب یہ ہے کہ اے خدا! اگر تو نے ہمیں ان کے ظلم کا نشانہ بننے دیا تو ظالم لوگ یہ سمجھیں گے کہ ان کا خدا نہیں ہے۔ ان کا کوئی بھی نہیں ہے۔ ٹھوکر کا مضمون اور ظلم وستم کا مضمون یہاں اکٹھا ہو گیا۔ پس جماعت احمدیہ کے لئے یہ دعا بہت ہی موزوں اور برمحل دعا ہے اور خاص طور پر یہ جو ابتلاؤں کا دور ہے اس میں اس دعا کو اس تمام وسعت کے ساتھ پیش نظر رکھتے ہوئے خدا کے حضور مانگنا چاہئے اور اس مضمون میں اگر آپ اپنے مظلوم احمدی بھائیوں کے حالات کو پیش نظر رکھ لیں یا ان تکالیف کو جن میں سے آپ گزر رہے ہیں، مختلف جگہ پر مختلف نوعیت کے جو روزمرہ ظلم ہو رہے ہیں ان کو ذہن میں دہرا لیا کریں تو اس دعا میں بہت درد پیدا ہو جائے گا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کے متعلق جب آپ یہ سوچیں کہ کتنے عظیم لوگ تھے، کتنے کمزور تھے، کتنے خطرناک جابر سے ان کا مقابلہ تھا لیکن بات ہی اس سے شروع کی۔ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے اب آگے بڑھ رہے ہیں، تو توکل کے مضمون کو کبھی نہ بھلائیں تو دیکھیں اس دعا میں کیسی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہزار ہا سال کی یہ دعا مر نہیں سکتی، زندہ دعا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔ پھر عرض کرتے ہیں۔ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ہمیں کافروں کی قوم سے اپنی رحمت کے ذریعے نجات بخش۔

یہاں نجات بخشنے کا جو مضمون ہے یہ غالباً ہجرت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کا حکم ہو چکا تھا اور فرعون ہجرت میں مانع تھا۔ پس۔ نَجِّنَا سے مراد یہاں ہجرت ہے کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر مدین کے بزرگ حضرت شعیبؑ کے پاس پہنچے اور وہاں پناہ لی تو انہوں نے اسی لفظ کے ساتھ آپ کو خوشخبری دی کہ تو ظالموں کی قوم سے نجات پا چکا ہے۔ پس کامیاب ہجرت یہاں مراد ہے تو یہ کہا اے خدا! ان میں ہوتے ہوئے بھی ہمیں ان کے ظلم وستم سے بچا اور پھر اپنے فضل سے ہمیں ان لوگوں سے کامیاب ہجرت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا بھی ریکارڈ کی گئی کہ: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:۸۹) بالعموم انبیاء کی طرف بددعائیں منسوب نہیں ہوتیں لیکن اگر آپ دو یا تین جگہ جہاں بددعائیں مذکور ہیں ان کا بغور مطالعہ کریں تو بددعا کرنے کی حکمت اور اس کا جواز بھی وہیں موجود ہوگا اور مضمون بہت اچھی طرح کھل جاتا ہے۔ قرآن کریم ایک ایسی کامل کتاب ہے کہ شبہ کا کوئی پہلو باقی نہیں رہنے دیتی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا کہ قوم بار بار انکار کر رہی ہے اور ہر عذاب کے بعد وقتی طور پر توبہ کرتی ہے اور پھر دوبارہ انکار کر دیتی ہے تو یہ دعا کی: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ اے خدا! جو قوم اموال کے تکبر میں مبتلا ہو وہ تو ایمان لا ہی نہیں سکتی۔ مالداروں کا اپنا ایک نفسیاتی رنگ ہوا کرتا ہے اور اپنے سے غریب لوگوں کو ہمیشہ وہ تذلیل اور تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا نفسیاتی مطالعہ کیا ہے اور یہ نتیجہ نکالا کہ عذاب تو آئے ہیں جیسا کہ خدا نے فرمایا۔ بار بار نشان دکھائے گئے اور اللہ تعالیٰ کی باتیں پوری ہوئیں لیکن پھر آخر یہ کیوں پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور بظاہر ایمان لا کر پھر قدم پیچھے کی طرف ہٹا لیتے ہیں تو یہ سوچتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سوچا کہ اموال کا تکبر ان کو برباد کر رہا ہے۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ ان کے اموال پر حملہ کر، ان کے اموال کو برباد کر دے۔ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور دلوں میں جو انانیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کے دلوں پر سختی کر، ایسا عذاب ڈال جس سے دل نرم پڑ جائیں۔ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب کا منہ نہ دیکھیں۔

اب یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو بھی معلوم تھیں حضرت موسیٰؑ نے کوئی نئی بات تو نہیں نکالی۔اس کے باوجود خدا تعالیٰ کیوں ان لوگوں کو توفیق نہیں عطا فرما رہا تھا اس لئے کہ وہ ایمان لانے کے اہل نہیں رہے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جب دعاؤں کو قبول کرتا ہے تو دعا اور قبولیت دعا کے دوران ایک بہت ہی گہرا لطیف رشتہ ہوتا ہے جو سطحی مطالعہ سے نظر نہیں آتا مگر اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں سے ایسے لطائف کرتا رہتا ہے اور یہ مضمون قرآن کریم کی دعاؤں اور استجابت دعا کے مضمون میں بہت ہی دلچسپ رنگ میں محفوظ فرمایا گیا ہے۔حضرت موسیٰؑ نے یہ کہا کہ جب الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ دیکھ لیں گے پھر یہ توبہ کریں گے۔خدا نے کہا۔ہاں ہمیں علم ہے کہ کس حد تک الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ دیکھیں گے تو توبہ کریں گے لیکن دعا قبول کر لی اور بعد میں فرمایا کہ جب ہم فرعون کو غرق کرنے لگے تو اس وقت اس نے کہا :اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ (یونس:۹۱) اس فرعون نے اس وقت پکارا کہ اب میں ایمان لایا ہوں۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے جس پر بنو اسرائیل ایمان لے آئے ہیں۔اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا۔ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ اب ایمان لاتا ہے جبکہ اس سے پہلے تو انکار کر چکا ہے۔تو مراد یہ ہے کہ انبیاء کی فراست بھی درست۔وہ یہ صحیح نتیجہ نکالتے ہیں کہ ابھی اور شدت عذاب میں چاہئے اس کے بغیر یہ مانیں گے نہیں۔مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض لوگ گناہ میں اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ جس قسم کا عذاب ان کو منواتا ہے وہ عذاب اس وقت آتا ہے جبکہ حجت تمام ہو چکی ہوتی ہے اور پھر ایمان لانا بے کار ہو جاتا ہے اب دیکھ لو تمہاری دعائیں سن کر ہم نے فرعون کو اس حد تک عذاب دے دیا کہ جس کے نتیجے میں بالآخر اس کا سر جھکا لیکن خدا نے یہ کہا کہ اب تو تیری روح کے بچنے کا کوئی وقت نہیں رہا، چونکہ جب تیری روح خطرے میں تھی تو نے اس وقت تک تو موسیٰؑ اور موسیٰؑ کے رب کو قبول نہیں کیا۔اب بدن کا خطرہ ہے تو اب تو کہتا ہے کہ مجھے بچالے تو فرماتا ہے کہ ۔ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ ٹھیک ہے اب روح کے بچنے کا تو وقت نہیں رہا لیکن تیرے بدن کے بچانے کا وقت ہے ہم تیرے بدن کو بچالیں گے اور وہ اس لئے بچائیں گے تا کہ آئندہ نسلوں کے لئے یہ عبرت کا نشان بن جائے۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا کے نتیجے میں پیش آنے والے اس واقعہ سے متعلق تاریخ میں بہت سا

ابہام موجود ہے۔ بالعموم تمام مسلمان یہ یقین رکھتے ہیں کہ فرعون وہیں اسی وقت غرق ہو گیا تھا اور بچا نہیں بلکہ صرف اس کا جسم بچا تھا اور تاریخ سے جہاں تک میں نے چھان بین کی ہے ایسی کوئی قطعی شہادت نہیں مل سکی کہ یہ فرعون جس کا ذکر چل رہا ہے یہ غرق ہو گیا تھا کیونکہ جو ممی (Mummy) ملی ہے وہ ہے تو اسی فرعون کی۔ اس کے ساتھ ایسا واقعہ تو ضرور پیش آیا ہے مگر یہ قطعی شہادت نہیں ہے کہ وہ غرق ہو کر مرا تھا اس لئے آئندہ مزید تحقیق ہمیں بتائے گی کہ اصل واقعہ کیا ہوا۔ پھر اس آیت کی صحیح تفسیر ہمارے سامنے آئے گی کہ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ سے کیا خدا تعالیٰ کی یہ مراد تھی کہ ہم تیرے بدن کو آج بچائیں گے، تیری روح پھر بھی نہیں بچے گی تو پھر واپس لوٹے گا اور تیرا یہ بدن دنیا کے لئے آئندہ عبرت کے لئے محفوظ کیا جائے گا اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم تجھے غرق تو کر دیں گے لیکن تیری لاش کو بچائیں گے اور تیری لاش بعد میں دنیا کے لئے عبرت کا نشان بنے گی تو دونوں صورتوں میں یہ بہت ہی عظیم الشان معجزہ ہے لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ابھی اس کا ایک پہلو تشنہ تحقیق ہے۔

پس دعائیں کرتے وقت یہ احتیاط ضرور کرنی چاہئے کہ اپنی طرف سے دعاؤں میں ایسی ہوشیاریاں یا چالاکیاں نہ کریں کہ بعد میں جب دعا قبول ہو تو پتا لگے کہ اوہو! یہ تو ہماری دعا کے نتیجے میں ایسی بات ہوگئی۔ ایسے دلچسپ واقعات ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو دراصل بڑے پیارے اور لطیف انداز میں اپنے قرب کے نشان دیتا ہے۔ بعض دفعہ تھوڑی تھوڑی سزائیں بھی ساتھ چل رہی ہوتی ہیں، بعض لوگ بڑے معجزے دیکھنا چاہتے ہیں جو ظاہری اور عددی معجزے ہوں کہ جی فلاں شخص نے خواب میں دیکھا ہے کہ فلاں تاریخ کو یہ واقعہ ہو جائے گا اور یہ ہو گیا یہ سطحی چیزیں ہیں اصل جو زندہ معجزہ ہے وہ خدا کا بندے کے ساتھ ایسا باریک سلوک ہے جو زندگی میں اس کے ساتھ ہوتا رہتا ہے ایسے لطیف اشارے اسے ملتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں دل کی گہرائیوں میں یہ بات جاگزیں ہو جاتی ہے کہ میرا اور اللہ کا ایک معاملہ ہے جو چل رہا ہے۔

حضرت منشی اروڑے خانؓ والا واقعہ آپ نے بارہا سنا ہے وہ اسی مضمون سے تعلق رکھتا ہے حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور حضرت منشی اروڑے خانؓ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے ایک دفعہ رخصت ہو رہے تھے جب واپس جانے کی اجازت لی تو شدید گرمی تھی اور بہت دیر سے بارش نہیں ہوئی تھی تو حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ نے بے تکلفی سے، پیار سے عرض کیا کہ حضور! دعا

کریں بہت ہی گرمی ہے۔ واپسی کا سفر بھی سخت ہے اللہ تعالیٰ بارش عطا فرمائے تو منشی اروڑے خانؓ نے کہا کہ میرے لئے تو یہ دعا کریں کہ اوپر سے بھی پانی ، نیچے سے بھی پانی، پانی ہی پانی ہو جائے۔ چنانچہ وہ یکے میں بیٹھے اور بٹالے کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں وڈالے کے قریب ایک جگہ جہاں ایک چھوٹی سی پلی آیا کرتی تھی۔ (ہم بھی جب گزرتے تھے تو وہاں ایک چھوٹی سی پلی آیا کرتی تھی) اس سے پہلے کہ وہ پُلی آتی اچانک بادل اُمڈ کر آئے اور اس قدر موسلا دھار بارش شروع ہوئی کہ اس سے جل تھل ہو گئے اور وہ گھوڑا اسی طرح سرپٹ دوڑا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب وہ پلی آئی تو اس پر وہ یکہ جو اچھلا تو منشی ظفر احمد صاحبؓ تو ٹانگے میں ہی رہے اور منشی اروڑے خانؓ صاحب اچھل کر باہر پانی میں جا گرے اور اوپر سے بھی پانی تھا اور نیچے سے بھی پانی۔

یہ جو چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں یہ بیرونی دنیا کے لئے شاید کوئی حقیقت نہ رکھتے ہوں لیکن مومن کی تقویت ایمان کے لئے بیرونی نشانات سے بہت زیادہ دلنشیں اور روح میں اتر جانے والے نشانات اس قسم کے ہوا کرتے ہیں اور روزمرہ کی زندگیوں میں احمدیوں کے ساتھ یہ معاملات ہوتے رہتے ہیں۔ بعض دفعہ کوئی ایسا آدمی جس سے خدا تعالیٰ اچھی توقع رکھتا ہے کوئی چھوٹی سی غلطی کر بیٹھتا ہے تو اسی وقت اس کو سزا ملتی ہے، بعض ایسے ہیں جن کو بڑی بڑی غلطیوں پر بھی سزا نہیں ملتی اور وہاں سزا نہ ملنا خدا تعالیٰ کے غضب کی نشانی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ اپنے پیاروں کو انسان جلدی پکڑتا ہے جن سے اچھی توقعات ہوں ان کو جلدی ٹوکتا ہے۔ جن سے اچھی توقعات نہ ہوں ان کی بڑی بڑی چیزوں سے بھی درگزر کر جاتا ہے کہ ان سے توقع ہی یہی تھی اس لئے دعاؤں کے مضمون میں آپ کو قرآن کریم میں بھی ایسے بڑے دلچسپ واقعات ملیں گے جہاں دعا کرنے والے نے ذرا کہیں کوئی غلطی کی تو اللہ تعالیٰ نے بڑے پیارے اور لطیف انداز میں قبولیت کے وقت اس کی طرف اشارہ فرما دیا۔

پس فرعون کے ڈوبنے کی دعا کا حضرت موسیٰؑ کی اس دعا سے گہرا تعلق ہے جس کے نتیجے میں بالآخر اس کو ایمان لانے کی بھی توفیق ملی لیکن بے کار اور اس کا کوئی بھی فائدہ اس کو نہ پہنچا لیکن یاد رکھیں انبیاء کی دعائیں تو بے کار نہیں جایا کرتیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک نیا اور لطیف مضمون داخل فرما دیا۔

لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ہم تیرے بدن کو محض ایک فضول لطیفہ گوئی کے طور پر نہیں

بچار ہے خدا تو کوئی عبث کام نہیں کیا کرتا اور پھر میرے بندے موسیٰؑ کی دعا تھی اس کا کچھ نہ کچھ فائدہ تو پہنچنا چاہئے، تو جو فائدہ تجھے نہیں پہنچا وہ تیری وجہ سے آئندہ نسلوں کو پہنچے گا اور آنے والے لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں گے۔ تو دیکھیں بظاہر سرسری طور پر ان دعاؤں سے گزریں تو معمولی سا مضمون سمجھ میں آتا ہے لیکن جب ڈوب کر چلیں اور ان کے اندر جو مضامین کی تہیں ہیں ان کو دیکھتے ہوئے سیر کرتے ہوئے آگے بڑھیں تو بڑے بڑے لطیف مضامین ہیں جو ان دعاؤں میں اور ان کی قبولیت کے نشانات میں پوشیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کا عرفان عطا فرماتا رہے۔ یہ آیت پوری یوں ہے:

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۳﴾ (یونس: ۹۲-۹۳)

کہ اب تو کہتا ہے میں ایمان لے آیا حالانکہ اس سے پہلے عمر تم نے عصیان میں گزار دی اور تو صرف گنہگار ہی نہیں بلکہ فساد کرنے والا گنہگار تھا۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ پس آج کے دن ہم تیرے بدن کو نجات بخشیں گے تا کہ تو اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ اور دنیا میں اکثر لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں۔

اس موقعہ پر جبکہ یہ آیت نازل ہوئی، یہ کہنا کہ دنیا کے اکثر لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں، دو ہرے معنے رکھتا ہے۔ ایک تو عمومی بیان ہے کہ لوگ اکثر خدا کی آیات سے غافل ہی ہوتے ہیں دوسرا یہ کہ فرعون کی لاش کے متعلق اس وقت ساری دنیا غفلت میں تھی اور یہ ایک ایسا نشان تھا جس پر دنیا کے کسی عالم کی بھی نظر نہیں تھی، کسی تاریخ دان کی بھی نظر نہیں تھی کیونکہ اُس وقت کی معروف تاریخ کے مطابق فرعون کے دریا میں غرق ہونے کا واقعہ اور پھر خدا کا اس سے وعدہ کرنا، یہ دنیا کے کسی تاریخی ریکارڈ میں درج نہیں تھا۔ قرآن نے پہلی دفعہ بیان فرمایا اور مصر کی تہذیب تہہ در تہہ ریت میں دفن ہو چکی تھی اور وہ بڑے بڑے مقبرے جن میں بعد میں فراعین کی لاشیں مدفون پائی گئیں اور بعد میں دریافت ہوئیں وہ اس وقت کی دنیا کی نظر میں نہیں تھے۔ پس اس ذکر کا کیا پیارا انجام ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ کہ دنیا میں اکثر لوگ ہماری آیات سے غافل ہوتے ہیں ہم اتنے مستغنی ہیں کہ ہمیں کوئی جلدی نہیں، کوئی گھبراہٹ نہیں۔ جانتے

ہیں کہ ایک وقت ضرور ایسا آئے گا کہ یہ مدفون خزانے پھر ابھر آئیں گے اور زمین ان خزانوں کو یعنی خدا تعالیٰ کے نشانات کے خزانے باہر پھینک دے گی۔

اب میں آپ کو حضرت نوحؑ کی دعا بتاتا ہوں۔ قرآن کریم فرماتا ہے: وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ھود:۴۲) نوح کی جو یہ دعا ہے یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائی ہوئی دعا ہے فرمایا: وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اور یہ پڑھتے چلے جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ، اس کی ذات بابرکات کے ساتھ ہم اس سفر کا آغاز کرتے ہیں، مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اس کشتی کا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی اسی کے نام سے ہے۔ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یقیناً میرا رب بہت ہی بخشنے والا اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔

پس یہ الہامی دعا ہے اور جتنے بھی سمندر کے یا دریاؤں وغیرہ کے سفر اختیار کئے جاتے ہیں ان میں عام طور پر وہ مسلمان جو اس دعا سے واقف ہیں یہی دعا کرتے ہیں اور ہمیں بھی سب احمدیوں کو یہ دعا کرنی چاہئے۔ قادیان میں تو سب کو اس دعا سے بہت ہی واقفیت تھی اور بچے بچے کو سکھائی جاتی تھی لیکن اب جو موجودہ نسلیں ہیں اس سے کچھ غافل ہوتی جارہی ہیں۔ اس لئے میں یہ دعائیں دوبارہ پڑھ کر ان کا پس منظر آپ کو بتا رہا ہوں کہ اپنے بچوں کو، اپنے ماحول میں سب عزیزوں کو یاد بھی کرائیں اور ان کا مضمون سمجھائیں ان دعاؤں سے ایک ذاتی تعلق پیدا کر دیں تا کہ جب بچے یہ دعائیں مانگیں یا آئندہ جو بڑے بھی ہوں گے وہ مانگیں تو ان کے دل کی گہرائیوں سے یہ دعائیں اٹھیں اور اس مضمون کو سمجھ کر وہ یہ دعائیں کرنے والے ہوں۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کشتی میں سوار ہونے کے بعد اللہ کے نام پر جو سفر اختیار کیا اس سفر میں ان کا ایک بیٹا ساتھ نہیں تھا اور جب وہ طوفان بہت بڑھا تو آپ نے دیکھا کہ وہ بیٹا ایک پہاڑی کے دامن میں کھڑا ہے۔ آپ نے اس کو آواز دی اور کہا کہ تم آجاؤ ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ میں تو اس پہاڑ میں پناہ لے لوں گا مجھے تمہاری کشتی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد اگلا منظر خدا تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ یہ بات ہو رہی تھی کہ ایک موج ان دونوں کے درمیان حائل ہوگئی اور وہ ہمیشہ کے لئے نظر سے غائب ہو گیا۔ اس پر حضرت نوحؑ نے بڑی

بے چینی سے یہ عرض کی کہ اے خدا! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے اہل کو بچاؤں گا اور میں تیرے مقاصد کو، تیرے طریق کار کو نہیں سمجھ سکتا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے اہل کو غرق ہوتے دیکھ لیا ہے۔ تو بہتر جانتا ہے کہ یہ کیوں ہوا ہے لیکن میرے ذہن میں ایک خلش سی پیدا ہوگئی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو یہ جواب دیا۔

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (ھود: ۴۷) کہ اے نوحؑ! یہ تیرا اہل نہیں تھا۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ یہ بداعمال بچہ تھا اور بداعمال اولاد نبیوں کی اولاد نہیں ہوا کرتی۔ یعنی نبیوں کی طرف منسوب ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی تو اھل بمعنی اہلیت کے ہے۔ محض خونی رشتے کے لحاظ سے اولاد ہونا مراد نہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ یہ تو غیر صالح لڑکا ہے اس کے اعمال اچھے نہیں یہ کیسے تیرا اہل ہوگیا۔ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (ھود: ۴۷)

فَلَا تَسْـَٔلْنِ پس مجھ سے مت سوال کر ایسی باتوں کے متعلق جن کا تجھے علم نہیں ہے۔ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں مبادا تو جاہلوں میں سے نہ ہو جائے یعنی اگر تو نے احتیاط نہ کی تو خطرہ ہے کہ اسی نہج پر اگر آگے بڑھتا رہا تو ظالموں میں شامل ہو جائے گا اس پر حضرت نوحؑ نے پھر بڑی بے قراری سے یہ عرض کیا رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں آئندہ کبھی تجھ سے ایسا سوال کروں جس کا مجھے علم نہ ہو۔ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (ھود: ۴۸) اور اگر تو نے مجھ سے بخشش کا سلوک نہ فرمایا اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں یقیناً گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

یہاں جو مشکل مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان کو علم ہو اس کے متعلق تو وہ سوال ہی نہیں کرتا اور جس چیز کا علم نہ ہو اس کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو یہاں پھر یہ کیا گفتگو ہو رہی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تو نے آئندہ ایسی باتوں کا سوال کیا جس کا تجھے علم نہیں تو تُو ظالموں میں سے ہو جائے گا نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا اور حضرت نوحؑ کہتے ہیں کہ میں توبہ کرتا ہوں۔ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اے خدا! آئندہ کبھی میں ایسا سوال نہ کروں جس کا مجھے علم نہ ہو۔ تو یہ عجیب سا

معمہ ہے کہ اگر علم ہو تو سوال کرنے کی ضرورت کیا ہے اور اگر علم نہ ہو تو سوال کرنا گناہ کیسے ہو گیا۔ دراصل یہاں سوال کی پردہ داری فرمائی گئی ہے، ستاری کا سلوک ہوا ہے۔ ایک خفیف سا اعتراض دل میں پیدا ہوا ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا گیا اور چونکہ حضرت نوحؑ ایک بڑے بلند پایہ نبی تھے اور اس اعتراض پر خود آپ نے بھی معلوم ہوتا ہے پردہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے جو دعا کی ہے اور سوال کیا ہے وہ بتا رہا ہے کہ ادب اپنی جگہ ہے لیکن ساتھ ہی بے قراری بھی ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کروں۔ میرا دل بے چین ہو گیا ہے خدا کے اولوالعزم انبیاء ہوتے ہیں ان کا دل ایسی باتوں پر بے چین نہیں ہونا چاہئے۔ ان سے خدا یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ سمجھ جائیں کہ کچھ ایسے واقعات ضرور ہوئے ہیں جن کا مجھے علم نہیں لیکن خدا کے علم میں ہیں اور خدا کا فیصلہ سچا ہے اس لئے فیصلے سے متعلق سوال اٹھانے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ یہ جو مضمون ہے یہ بہت ہی لطیف اور بہت گہرا مضمون ہے اور اس کو بھلا دینے کے نتیجے میں میں نے دیکھا ہے بہت سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے احمدی بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ خلفائے وقت کے کئی ایسے فیصلے ہوتے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ کے زمانے میں بارہا ایسے واقعات ہوئے ہیں جو کسی باریک حکمت کے پیش نظر کئے جاتے ہیں اور ان کا دنیا کو علم دیا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ دوسرا مضمون بھی اس میں مخفی ہے اور بہت ہی اہمیت والا مضمون ہے۔ بعض دفعہ انسان ایک سوال کر کے مزید دکھ میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا جواب اس کو اور تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ایک بیٹا ہے جس کی بدکاری کے متعلق کسی کو علم نہیں، باپ کو علم نہیں، خدا تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا ہوا تھا اور نوحؑ نے جب شک کا اظہار کیا، ایسے شک کا اظہار جو اتنا خفی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شک کے طور پر پیش کرنا بھی پسند نہ فرمایا لیکن آپس میں جو مکالمہ ہوا ہے اس کی طرز بتا رہی ہے کہ اندر کیا بات تھی، ادب بہر حال قائم تھا اور اس وقت شک کے دوران بھی اتنا گہرا ادب تھا کہ اس ادب کے نتیجے میں اس وقت خدا نے آپ کو جاہل قرار نہیں دیا بلکہ یہ بتایا کہ آغاز اسی طرح ہوا کرتا ہے۔ ایک انسان اگر اپنے سے بالا ایسے لوگوں کے فیصلے جن کا احترام لازم ہے باریک نظر سے نہ دیکھے اور شک کی گنجائش ہو تو اس کا پہلا تقاضا تو یہی ہے کہ ادب اور احترام کی وجہ سے زبان نہ کھولے اور استغفار سے کام لے اور دعا سے کام لے لیکن اگر اس سے ایسا ہو بھی جائے اور بار بار ایسا ہو تو پھر خطرہ ہے کہ انسان مزید ٹھوکر کھا جائے گا۔ پس ایسے مختلف فیصلوں میں جہاں ایک مومن ایمان بھی

رکھتا ہے اور ادب بھی رکھتا ہے وہاں بھی بعض دبی ہوئی آزمائشیں بہت ہی خطرات کا پیش خیمہ بن سکتی ہیں اور اس سلسلے میں نہایت اعلیٰ تعلیم یہ دی گئی ہے کہ اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ استغفار سے کام لینا چاہئے اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہئے اور اللہ پر توکل کرنا چاہئے اور خدا سے یہ دعا کرنی چاہئے۔ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ کہ اے خدا! اگر تو نے بخشش کا سلوک نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو اس صورتحال میں میں یقیناً گھاٹا پانے والوں میں شامل ہو جاؤں گا اور اگر سوال اٹھتے ہی ہیں۔ تو پھر یہ دعا بہت اچھی ہے۔ یعنی اس کا پہلا حصہ کہ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَالَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ اے خدا! میں تیری حکمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ میں نہیں جانتا کہ اس دنیا میں بہت سی باتیں کیوں ہو رہی ہیں۔ تیری تقدیر کیا کیا مخفی مصلحتیں لئے ہوئے ہے۔ تیرے فیصلے کو ہم دیکھ لیتے ہیں۔ تیری تقدیر پر نظر نہیں جاتی۔ اس لئے ہم تجھ سے ان شکوک کے بارہ میں پناہ مانگتے ہیں جو ایسے موقعوں پر دلوں میں پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔

ایک دعا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہے جو اسی سورۃ کا ایک اور مضمون بھی ہمیں سمجھا رہی ہے۔ سورۂ یوسف کے آغاز میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو ہم بیان کرنے لگے ہیں یہ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ہے اتنا حسین واقعہ ہے کہ ایسا دلچسپ واقعہ، اس سے زیادہ پیارا اور دلکش قصہ تم نے کبھی نہیں سنا ہوگا، نہ سن سکتے ہو کیونکہ یہ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ہے۔ اب قرآن کریم میں انبیاء کے بہت سے قصص بیان ہوئے ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر بڑے دلچسپ واقعات بیان ہوئے ہیں لیکن صرف سورۂ یوسف کو اَحْسَنَ الْقَصَصِ کہا گیا ہے۔ میں اس پر غور کرتا رہا تو میرے دل نے یہ گواہی دی کہ یہ دعا جو حضرت یوسفؑ نے کی ہے یہ حسن کی انتہاء ہے اتنی حسین دعا ہے اور حضرت یوسفؑ کے حسن کا ایک عجیب منظر پیش کرتی ہے کہ انسانی دنیا میں آپ کو ایسی مثالیں دکھائی نہیں دیں گی۔ آپ کو زلیخا نے جب ابتلاء میں ڈالا اور دعوت دی اور اپنے ساتھ اس شہر کی یا اس قصبے کی دوسری خوبصورت عورتوں کو بھی شامل کر لیا کہ اگر یہ اکیلا میرے سے پوری طرح قابو نہیں آ سکتا تو ہو سکتا ہے ہم سب مل کر اس پر اپنا جادو چلائیں تو یہ اس جادو کے اثر کے تابع ہماری بات مان جائے۔ یہ سکیم تھی جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ اس پر حضرت یوسفؑ یہ دعا کرتے ہیں: قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ (یوسف: ۳۴) یہ مجھے لذتوں کی طرف اور عیش و عشرت کی طرف

بلا رہے ہیں اے خدا! میں زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں قید ہو جاؤں اور قید خانے میں زندگی بسر کروں۔ مجھے یہ آزادی پسند نہیں ہے جو لذتوں کی آزادی ہے مگر تیری رضا کی آزادی نہیں ہے۔

کتنی عظیم الشان دعا ہے۔ وہ یہ بھی دعا کر سکتا تھا کہ اے خدا! مجھے بچالے لیکن دوسری طرف قید خانے کو دیکھا۔ اس مضمون کو ذہن میں رکھا اور یہ دعا کی کہ اے خدا! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے۔ اب دیکھیں دعا اور قبولیت میں کیسے لطیف رشتے ہیں۔ پس یہ سمجھ نہیں سکتا تھا کہ حضرت یوسفؑ بے چارے کو اللہ تعالیٰ نے اتنی لمبی قید میں کیوں مبتلا کر دیا۔ اپنی منہ مانگی دعا ہے جو ان کے سامنے آئی۔

پس جہاں ایک طرف دعاؤں میں احتیاط بتانے والا یہ مضمون ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ہمیں سکھایا کہ اپنے لئے مشکل دعا مانگا ہی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں مشکل میں ڈالے بغیر بھی معاملے حل کر سکتا ہے اس لئے خواہ مخواہ کیوں اپنے آپ کو مشکل میں ڈالتے ہو۔ آپؐ نے یہ کہہ کر ہم پر بڑا احسان فرمایا لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ میرے بندے جب بعض دعائیں مانگتے ہیں تو میں ان کے دل کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے ایسا کرتا ہوں۔ اس دعا نے اور اس کی قبولیت نے مل کر اس معاملے کو اتنا حسین بنا دیا ہے کہ جب سے دنیا بنی ہے ایسا عجیب واقعہ کبھی دنیا میں پیش نہیں آیا کہ وہ خدا جو اپنے بندے سے اتنا پیار کرتا ہے اور پھر ایسے پاکباز بندے سے یعنی یوسفؑ جیسے بندے سے، اس کی دعا بھی سنتا ہے اور اس کو بچا بھی لیتا ہے اور پھر قید خانے میں ڈال دیتا ہے۔ تو قید خانے میں کیوں ڈال دیا؟

میرے نزدیک اس لئے کہ حضرت یوسفؑ کے دل کی سچائی ثابت ہو اور عام دعا کرنے والوں سے الگ اور ممتاز کر کے آپ کو دکھایا جائے ورنہ دعا کرنے والے بڑی بڑی دعائیں کر جاتے ہیں اور باتوں باتوں میں اپنی جان فدا کرتے رہتے ہیں لیکن جب ابتلاء کا وقت آتا ہے تو جانیں لے کر بھاگ جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے اور مجھے کئی خط بھی آتے ہیں کہ جی آپ کہیں تو مال جان سب کچھ حاضر اور چھوٹا سا ابتلاء اولاد کی طرف سے آجائے یا قضاء کے فیصلے کی طرف سے آجائے تو نہ جان حاضر ہوتی ہے، نہ مال حاضر ہوتا ہے۔ وہی لوگ باتیں بنانی شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہ خلیفہ ہے؟ اس میں تو انصاف ہی کوئی نہیں۔ تو خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ منہ کی اکثر باتیں جھوٹی اور بے معنی ہوا کرتی ہیں۔ خدا کے حضور سجدوں میں لوگ بڑی بڑی پیاری دعائیں کرتے ہیں۔ روتے

ہوئے بھی کرتے ہیں کہ اے خدا! یہ ہو جائے تو ہم سب کچھ پیش کرنے کے لئے تیار ہیں مگر جب مشکل پڑتی ہے تو اس وقت وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس مضمون کو ایک اور جگہ یوں بیان فرمایا کہ تم لوگ تو قتال مانگا کرتے تھے کہتے تھے کہ اے خدا! ہمیں جہاد کے وہ میدان دکھا جہاں ہم اپنی قربانیاں پیش کریں اور اب وہ آ گیا ہے تو تم کھڑے دیکھ رہے ہو۔ تمہیں سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کریں۔ تو دعا سے کوئی چیز مانگنا اور بات ہے اور جب وہ ابتلاء سامنے آ کھڑا ہو تو اس میں پڑنا اور حوصلے کے ساتھ صبر کے ساتھ اس تکلیف کو برداشت کرنا اور بات ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے اس حسین قصے میں جو سب سے زیادہ حسین ہے ہمیں یہ بتایا کہ یوسفؑ نے دعا مانگی اور ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا تو محض اس کو تکلیف دینے کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کو بتانے کے لئے اور ہمیشہ ہمیش کے لئے بتانے کے لئے کہ وہ دعا میں انتہائی سچا اور مخلص تھا۔ واقعۃً اس کو قید خانہ اور اس کی صعوبتیں دکھائی دے رہی تھیں اور وہ ان کی پناہ مانگ رہا تھا کہ اے خدا! اس عیش کی زندگی سے مجھے وہاں ڈال دے چنانچہ پھر انہوں نے خوشی سے قبول کیا، وہاں رہے، وہاں تبلیغیں کرتے رہے۔ وہاں خدا کی یاد میں مزے کی زندگی گزاری اور ایک ذرہ بھی دل میں شکوہ پیدا نہیں ہوا کہ مجھ معصوم کو جو آج ساری دنیا میں سب سے زیادہ معصوم انسان ہے بے جرم کیوں مارا جا رہا ہے اور پھر آخر پر جب آپ کو وہاں سے نجات ملتی ہے تو پھر اس وقت بہت ہی عجیب حیرت انگیز انکسار کا اظہار کرتے ہیں۔ پیغامبر کو کہتے ہیں پہلے اپنے آقا، بادشاہ سے کہو کہ وہ جو عورتیں تھیں جنہوں نے الزام لگایا تھا ان کا حال تو پوچھو۔ کیا حال ہے ان کا؟ اب کیا کہتی ہیں؟ اور مجھے نکالو تو معصوم حالت میں نکالو۔

دیکھیں کتنا عجیب دلچسپ اور گہرا مضمون ہے۔ فرمایا۔ میں الزام کی حالت میں گیا ہوں۔ میں الزام کی حالت میں کیسے باہر آ جاؤں۔ یہ الزام تو مجھے پسند نہیں ہے۔ اس کی خاطر تو ساری تکلیفیں برداشت کی تھیں اس لئے میں جب تک معصوم ہو کر نہیں نکالا جاتا مجھے ابھی بھی آزادی نہیں چاہئے۔ حالانکہ بادشاہ مہربان ہو چکا ہے اور پھر جب بادشاہ نے ان سے پتا کروایا تو اُنہوں نے کہا وہ تو بالکل معصوم ہے، فرشتہ ہے۔ اس کا کوئی قصور نہیں، ہم نے شرارت کی تھی، ہم نے فتنہ پیدا کیا تھا۔ اس کے بعد وہ یہ کہتے ہیں میں اپنے نفس کو اب بھی بَری نہیں کرتا۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (الیوسف:۵۴) کہ انسان کا نفس تو گناہوں کی تعلیم دینے والا ہے۔ اللہ ہی کا فضل تھا جو میں بچ گیا ہوں۔

پس دیکھیں کہ قرآنی دعائیں جو گہرے مضامین سمیٹے ہوئے ہیں جب آپ ان میں غوطہ مارتے ہیں۔ان میں اُتر کر اُن دعاؤں کو اوران کی مقبولیت کے حالات کو دیکھتے ہیں تو کیسے کیسے حسین دلکش نظارے ان پردوں کے پیچھے دکھائی دیتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ پردوں کے پیچھے اور پردے ہوتے ہیں۔آپ اور بیچ میں داخل ہوتے چلے جائیں۔اپنے نفس پر ان مضامین کو وارد کرتے رہیں تو آپ کو اور زیادہ لطیف اور دلکش نظارے ان کے پیچھے سے دکھائی دیتے چلے جائیں گے۔

پھر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری دعا جو اُس سے ملتی جلتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ وہ یہ بیان فرمائی گئی: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم: ۳۶) یہ جو دعا ہے یہ اس دعا سے ملتی جلتی لیکن اس سے مختلف ہے جو سورۂ بقرہ کی ۱۲۵ اور آگے پیچھے کی آیات میں درج تھی وہاں بھی یہ ذکر ہے کہ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا سرسری نظر سے پڑھیں تو ایک ہی دعا لگتی ہے۔دونوں جگہ اس شہر کے امن کی دعا مانگی گئی ہے۔اس کے امین ہونے کی دعا مانگی گئی ہے۔لیکن حقیقت میں جو پہلی دُعا تھی اس میں شہر کیلئے دُعا نہیں مانگی تھی، جگہ کے لئے دُعا مانگی تھی کیونکہ وہاں یہ دُعا ہے: رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا یہ جگہ چٹیل میدان جہاں کچھ بھی نہیں ہے۔اسے ایک رستے بستے شہر میں تبدیل فرما دے۔پس یہ دُعا جواب کی گئی ہے اس میں یہ نہیں فرمایا کہ اس جگہ کو امن کی جگہ بنا دے بلکہ فرمایا ہے: هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا کہ اے خدا! تُو نے میری دُعاؤں کو سُن لیا۔اور اس جگہ کو شہر بنا چکا ہے۔اب یہاں باقاعدہ آبادی ہے۔اب میں اس شہر کے لئے تجھ سے امن کی دعا مانگتا ہوں اس کے بعد اس دُعا میں بعض ایسی باتوں کا ذکر ہے جو دراصل پہلی دُعا کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہیں اور ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو خطاب فرمایا اُس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی دُعا میں ترمیم کی گئی ہے۔پہلی دُعا آپ کو یاد دلانے کے لئے پڑھتا ہوں۔وہ یہ تھی: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (البقرہ: ۱۲۷)

جب ابراہیمؑ نے خدا سے یہ عرض کیا کہ اے خدا! اس جگہ کو تو ایک شہر میں تبدیل فرما جو امن کا شہر ہو اور اس میں بسنے والوں کو تو ہر قسم کے رزق عطا فرما، ہر قسم کے پھل عطا فرما۔ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی ان سب کو جو اللہ پر ایمان لے آئیں اور آخرت پر ایمان لے آئیں۔ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا اے ابراہیمؑ! میں تیری دعا کو اس سے زیادہ قبول کرتا ہوں جتنا تو مانگ رہا ہے جو ان میں سے ایمان نہیں بھی لائے میں دنیا کی زندگی میں ان کو بھی فائدہ پہنچاؤں گا ہاں آخرت میں ان کو میں عذاب دوں گا۔

یہ جو آخرت کے عذاب کا جواب تھا اس نے حضرت ابراہیمؑ کو بڑا ڈرا دیا ہے اور اگلی دعا میں پھر آپ نے ترمیم کر لی ہے۔ اس ترمیم کی طرف میں آپ کو لے کر جاؤں گا تو پھر آپ سمجھیں گے کہ اس دعا میں اور اس دعا میں کیوں فرق ہے؟ اور کیسے پیارے انداز میں پھر آپ نے وہ ترمیم کر کے دعا کی ہے۔

کہتے ہیں: هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ پتا لگ گیا ہے کہ کوئی ظالم ضرور پیدا ہوں گے، کچھ مشرک پیدا ہوں گے، شہر توحید کی خاطر بنایا گیا لیکن یہیں شرک کرنے والے بھی داخل ہو جائیں گے۔ تو یہ دعا کی کہ اے خدا! مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے رکھ کہ ہم کبھی بھی بتوں کی پرستش کریں۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (ابراھیم: ۳۷) کہ ان بتوں اور جھوٹے خداؤں نے تیرے اکثر بندوں کو گمراہ کر دیا۔ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ جو ان میں سے میری پیروی کرے گا وہ میرا ہوگا اور جو میرا ہوگا وہ موحد ہی رہے گا۔ اس لئے میروں پر تو ناراض ہوگا ہی نہیں، کس طرح ان کا دامن بچا لیا۔ پہلے خدا نے اس دعا کے نتیجے میں ایک استثناء کیا تھا اور کہا تھا کہ میں ان کے ساتھ دنیا میں تو حسن سلوک کرتا رہوں گا لیکن آخرت میں ان کو پکڑوں گا اس کے بعد یہ کہا کہ جو میرا ہوگا اس کو تو لازماً سزا نہیں دے گا کیونکہ مجھ سے تو اتنا پیار کرتا ہے اور مجھ سے تو ایسا حسن سلوک فرماتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو میرا ہو اس کے ساتھ بھی تو کسی قسم کا غضب کا معاملہ فرمائے گا۔ رہا ان لوگوں کا معاملہ جو میرے خلاف ہوں گے، جو گنہگار ہوں گے، جن کے متعلق تو نے کہا ہے کہ میں انہیں عَذَابٌ اَلِيْمٌ میں مبتلا کروں گا حضرت ابراہیمؑ بے حد رحم کرنے والے تھے بڑے نرم دل تھے اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے تو وہاں بھی دل نہیں چاہتا کہ ان سے سختی کا سلوک ہو تو کہتے ہیں کہ وَمَنْ عَصَانِيْ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو میرے نافرمان ہیں فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ مجھے تو اتنا پتا ہے کہ تو بڑا بخشنے

والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔ بس یہ کہہ کر بات چھوڑ دی۔ تو چاہے تو سزا دے سکتا ہے اور میری پہلی دعا کے جواب میں تو نے مجھے بتا دیا ہے کہ ایسے بدنصیبوں کو بالآخر سزا ملے گی تو میں اب نئی ترمیم شدہ دعا یہ عرض کر رہا ہوں کہ جو میرا ہے وہ تو امن میں آ ہی گیا اور جو میرا نہیں رہے گا میں اس کے لئے بھی صرف یہ کہتا ہوں کہ اس کو نہ دیکھنا۔ اپنی ذات کو دیکھنا۔ وہ گنہگار ہے لیکن تو غفور رحیم ہے۔ دعا کا کتنا پیارا انداز ہے۔ اور دعا کا کتنا دردناک انداز ہے۔ اگر اس گہرے درد کو سمجھ کر اسی درد میں ڈوب کر آپ دعائیں کریں تو دیکھیں آپ کی دعاؤں کو کیسے کیسے پھل لگتے ہیں۔ پھر عرض کیا:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَ ارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۸﴾

(ابراھیم: ۳۸) کہ اے خدا! میں نے اپنی اولاد کو اپنی اس پیاری اولاد اسماعیلؑ کو اس بے آب و گیاہ وادی میں ایک ایسے لق ودق صحرا میں جہاں کچھ بھی نہیں اُگتا۔ تیرے مقدس گھر کے قریب اس لئے چھوڑا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ کہ یہ لوگ تیری عبادت کریں۔

اس لئے جو دعا مانگی تھی کہ ان کو پھل دینا، ان پر رحمتیں کرنا (پہلی دعا میں یہ ذکر تھا) وہ ثانوی باتیں ہیں۔ میرا اصل مقصد یہ تھا کہ تیرے گھر کے قریب میں ان کو چھوڑوں تا کہ اس گھر کے مقاصد کو یہ پورے کرنے والے ہوں۔ لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ پس اس وجہ سے لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر کہ یہ تیرے عبادت گزار بندے ہیں ورنہ اگر تیرے عبادت گزار بندے نہ ہوں تو ان کو پھل کھلوانے میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے تو یہ دلچسپی تھی کہ قیامت کے دن تو بخشش کر سکتا ہے تو ضرور بخش دے۔ جہاں تک دنیاوی پھلوں کا تعلق ہے تو نے وعدہ تو کر دیا ہے مگر میں عرض کر دوں کہ ابھی بھی مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ دنیا میں ان کو کچھ دے نہ دے لیکن جو نیک بندے ہیں، جو عبادت کرنے والے ہیں، ان کی طرف دلوں کو ضرور مائل فرمانا اور ان کے لئے لوگ دور دور سے طرح طرح کے تحائف لے کر آئیں ہر قسم کے پھل ان تک پہنچیں لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ تا کہ وہ تیرے شکر گزار بنیں۔ ان نعمتوں کو

دیکھیں اور بار بار شکر ادا کریں کہ اے خدا! محض تیرے پیار کا اظہار ہے کہ لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو رہے ہیں ورنہ ہماری کیا حیثیت تھی۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ (ابراھیم:۳۹) حضرت ابراہیمؑ کا مقام آپ کی دعاؤں پر غور کرنے سے مزید ابھرتا چلا جاتا ہے۔ یہ عرض کیا کہ اے خدا! میری نیت پاک ہے مجھے تو یہ دلچسپی تھی کہ عبادت کرنے والے ہوں۔ ظاہری رزق میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ بعض دفعہ انسان اپنی مخفی نیتوں سے خود بھی واقف نہیں ہوا کرتا۔ خدا کے حضور تو یہ دعویٰ کرنا بہت بڑی بات ہے کہ میں اس نیت سے کر رہا ہوں اور فلاں نیت سے نہیں کر رہا۔ تو فوراً عرض کیا: رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ اے خدا! تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جن باتوں کا ہم اظہار کر رہے ہیں۔ مطلب ہے ہم اچھی نیتیں کہہ بھی دیں، اچھی باتیں تیرے حضور عرض کر رہے ہوں کہ ہم یہ یہ نیکیاں پیش نظر رکھتے ہوئے دعائیں کر رہے ہیں پھر بھی احتمال موجود ہے کہ بعض مخفی ارادے برے ہوں۔ بعض مخفی نیتیں گندی ہوں یا نفسانی ہوں اس لئے میں تیرے حضور یہ عرض کرتا ہوں کہ میں اپنے متعلق کسی بھی براءت کا اقرار نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے جو نیت صاف دکھائی دے رہی ہے اس کے پیچھے پھر بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسا مخفی بدارادہ موجود ہو اس کے لئے تو مجھ سے رحمت کا سلوک فرمانا۔ یعنی اپنی عاجزی کا اظہار ہے اور احتمالی گناہوں کا اقرار ہے۔ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ میں کیا چیز ہوں۔ اے خدا! تو تو وہ ہے جس سے آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (ابراھیم:۴۰) ہر حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اس بڑھاپے کی عمر میں اسماعیل اور اسحٰق جیسی اولاد عطا فرمائی اور یہ وہ اولاد ہے۔ جو نیک اولاد کی طلب کے نتیجے میں عطا ہوئی اور جس نے ثابت کر دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت اندر تک پاک تھی۔ پس بظاہر یہ نہیں فرمایا گیا لیکن جب اس مضمون کو آپ اکٹھا ملا کر پڑھیں تو خدا کی طرف سے یہ گواہی بھی ساتھ دے دی گئی ہے کہ ابراہیمؑ تو اپنے عجز میں کہہ رہا تھا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں میری نیت صاف ہے لیکن تو بہتر جانتا ہے۔ ساتھ ہی اس نے ایک ایسی بات کہی جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی نیت کو جانتا تھا اور اس کی نیت کی پاکی کے مطابق اس سے سلوک فرمایا کیونکہ جس نیک اولاد کے متعلق اس نے کہا کہ میں تجھ

سے نیک اولاد مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ نے وہ نیک اولاد عطا فرما کر بتا دیا کہ تیری نیت پاک تھی چنانچہ اس کو اسماعیل دیا پھر اس کو اسحاق دیا۔ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ چنانچہ ابراہیمؑ خود اقرار کر جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے دماغ وہاں پہنچا ہے تو خود ہی بات بھی سمجھ آ گئی ہے عاجزی کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے سمجھا بھی دیا ہے کہ ابراہیمؑ تو کیوں اپنی نیتوں کے متعلق ڈر رہا ہے۔ اپنی اولاد کے منہ تو دیکھ، کتنے پاک چہرے ہیں۔ ان کے وجودوں پر نظر کر کیا یہ تیری دعاؤں کا ثمرہ نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو پھر الحمد پڑھ اور خدا کا شکر ادا کر اور اس کی حمد کے گیت گا اور یہ کہ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۔ کہ دیکھو دیکھو میرا رب بہت ہی دعا سننے والا ہے اور اس دعا کی مقبولیت کے نشان کے طور پر اس نے مجھے ایسی پاک اولاد عطا فرمائی۔

یہ ویسی ہی دعا ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے شعروں میں کہا کہ

؎ بشارت تو نے دی اور پھر یہ اولاد
کہا ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد
بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی (درثمین:۔۔۔)

پس بار بار اللہ تعالیٰ اپنے پاک بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی دعاؤں کے مطابق پھل لگاتا ہے اور جب وہ پھل نکلتے ہیں تو بتاتے ہیں کہ ہاں وہ دعائیں بھی سچی تھیں اور یہ پھل بھی سچے نکلے۔

اب میں آخر پر (گو مضمون کا ابھی آخر نہیں آیا ابھی کافی ہے لیکن باقی آئندہ انشاء اللہ) حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی ہی ایک دعا پڑھتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی: رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراہیم: ۴۱-۴۲) کہ اے خدا! مجھے اور میری اولاد کو نماز پر قائم رکھ۔ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ اور اے ہمارے رب ضرور ہماری دعا قبول کر لے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ اے خدا مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین کو بھی بخش دے۔ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ اور مومنوں کو بھی بخش دے۔ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ جس دن حساب کتاب کیا

جائے گا۔

یہاں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ باوجود اس کے کہ پیدائش سے پہلے حضرت ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا مانگی تھی کہ نیک اولاد چاہتا ہوں۔نماز پڑھنے والی اولاد چاہتا ہوں۔اسی لئے تیرے گھر کے پاس جہاں نہ پانی تھا نہ خوراک کا کوئی انتظام تھا، اپنے نوزائیدہ بچے کو چھوڑ دیا کہ وہ تیری عبادت کرے اگر غذا کی اور دنیاوی لذتوں کی خواہش ہوتی تو ان آباد جگہوں سے لے کر اس ویران جگہ میں کیوں آتا۔یعنی اس میں نیت کی صداقت کتنی گہری اور کتنی صفائی کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہے اور اس دعا کو خدا نے قبول بھی فرمالیا اس کے باوجود جب تک زندگی کا سانس ہے یہ دعا جاری رہنی چاہئے کیونکہ عبادت پر قائم ہونے کے باوجود عابدوں کے لئے بھی امتحانات آیا کرتے ہیں اور ٹھوکر کے مواقع پیدا ہوتے رہتے ہیں۔بعض ایسے عبادت کرنے والوں کا ذکر احادیث میں بھی ملتا ہے کہ عمر بھر عبادت کی مگر کسی موقعہ پر کسی وجہ سے ٹھوکر کھا کر ہمیشہ کے لئے خدا سے دور جا پڑے۔پس عبادت کرنے والے کو تکبر سے باز رکھنے کے لئے اور خدا کی خوشخبریاں پانے کے باوجود انکسار کے ساتھ خدا کے حضور یہ عرض کرتے رہنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جو کچھ ہم نے عبادت میں حاصل کیا ہے جب تک زندگی کا سانس ہے اسے خطرہ ہے۔یہ تیری طرف سے ایک دولت اور نعمت ہے تو سہی لیکن نعمتیں بھی تو ضائع ہو جایا کرتی ہیں اس لئے ابراہیم علیہ السلام خود پہلے اپنے لئے دعا کرتے ہیں۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ اے خدا مجھے بھی نماز قائم کرنے والا بنا۔اب بتائیں آج کل کوئی شخص اگر بظاہر نماز پر قائم ہو چکا ہو تو اس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نماز پر قائم ہونے سے بھلا کیا مقابلہ؟ کوئی نسبت ہی نہیں ہے لیکن بعض نمازی آج کل کی اس دنیا میں بڑا تکبر کر جاتے ہیں۔ہمیں اور کیا چاہئے ہم نماز پڑھتے ہیں اور خوب سختی سے نماز پر قائم ہیں حالانکہ سختی سے قائم ہونا اور چیز ہے اور دل کی نرمی کے ساتھ نماز پر قائم ہونا اور چیز ہے لیکن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نمونہ ہمیں بتاتا ہے کہ نماز پر قائم ہونا محفوظ مقام نہیں ہے جب تک انسان آخری سانس نہ لے اور خدا اپنی طرف نہ بلا لے۔

پس اس دعا کو اس مضمون کو سمجھنے کے بعد ادا کیا کریں اور خدا کے حضور اپنی عبادتوں کو فخر کے ساتھ پیش نہ کریں بلکہ عاجزی اور انکسار کے ساتھ ڈرتے ڈرتے پیش کریں اور دنیا کی طرف نگاہ

ڈالیں کہ اس دنیا میں بھی یہی ہوتا چلا آیا ہے اور آج بھی یہی ہوتا ہے کہ بعض دفعہ بڑے بڑے امیر، بڑے بڑے دولت مند اچانک ایسے مصائب کا اور حوادث کا شکار ہو جاتے ہیں کہ کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ساری دولتیں مٹ جاتی ہیں جو کچھ کمائی تھی وہ سب ختم ہو گئی۔ تو اگر دنیا کی دولتیں محفوظ نہیں ہیں تو روحانی دولت بھی ان معنوں میں محفوظ نہیں ہے۔ اگر کوئی بلا پڑے گی تو بلا ان نعمتوں کو تباہ بھی کر سکتی ہے اس لئے دعا ہی کے ذریعے ان نعمتوں کی حفاظت کی مدد مانگنی چاہئے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ اے خدا! مجھے بھی بخش دے، میرے والدین کو بھی۔ یہاں توازن پیدا کیا گیا ہے اور اولاد کے لئے جو دعا مانگی گئی تو اس کے مقابل پر فرمایا والدین کو بھی یاد رکھا کرو، والدین کے لئے بھی دعا کیا کرو۔ وَ لِوَالِدَیَّ میں نماز کے قیام کی دعا نہیں کیونکہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور اکثر صورتوں میں ہو چکے ہوتے ہیں یا بعض صورتوں میں فوت ہو چکے ہوتے ہیں اس لئے والدین کے لئے قیام نماز کی دعا نہیں ملے گی بلکہ بخشش کی دعا ملے گی۔ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اور مومنوں کے لئے بھی۔ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ جس دن کے حساب کتاب کیا جائے۔

یہ ایک ایسا مضمون ہے جس کے متعلق آئندہ کبھی گفتگو کی ضرورت پیش آئے گی کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے والد کے لئے جو دعا کی تھی جس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کو خصوصی اجازت دی گئی تھی تو اس کے بعد پھر اس دعا کا کیا مطلب ہے کہ وَ لِوَالِدَیَّ میرے والدین کے لئے بھی۔ کیا یہ وہی دعا ہے اور اس کے بعد خدا نے منع فرمایا یا یہ دعا کوئی اور مفہوم رکھتی ہے اور اسی طرح حضرت نوحؑ کی دعا بھی ہمیں انہیں لفظوں میں ملتی ہے کہ وَ لِوَالِدَیَّ مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین کو بھی بخش دے اور ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس نبی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ماننے والوں کے لئے یہ جائز قرار نہیں دیا کہ اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی (التوبہ: ۱۱۳) کہ خواہ وہ اقرباء ہی کیوں نہ ہوں یعنی صرف والدین کا ذکر نہیں دوسرے اقرباء بھی شامل ہیں کہ اگر وہ مشرک ہوں تو ان کے لئے استغفار نہیں کرنا۔ تو یہ ایک ایسا مضمون ہے جو بعض دفعہ بعض دوست پوچھتے بھی ہیں کہ اب نماز میں ہم یہ دعا پڑھتے ہیں۔ ہندوؤں سے اگر کوئی مسلمان ہوا ہو اور اس کے والدین مشرک ہوں تو کیا وہ نماز میں وہ دعا نہیں پڑھے گا اور پھر سوال یہ ہے کہ کیا صحابہؓ یہ دعا نہیں پڑھا کرتے تھے جن میں سے اکثر کے

والدین مشرکین تھے تو یہ ایک مزید تحقیق طلب مضمون ہے۔اس کے کچھ حصوں پر تو میں نے نظر ڈالی ہے اور کچھ مفہوم سمجھ آیا ہے لیکن ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔آئندہ کسی وقت انشاء اللہ آپ کے سامنے یہ مضمون پیش کروں گا۔باقی انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کیونکہ اب وقت زیادہ ہو چکا ہے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:

یہ خطبہ حسب سابق ماریشس اور جاپان کی جماعت بھی براہ راست سن رہی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو ہمت بھی عطا فرمائے۔بہترین جزاء دے اور توفیق بخشے۔بے حد خرچ ہوتا ہے مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ بے چارے کس طرح مسلسل برداشت کر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں بہت برکت دے اور خدا کی خاطر جو یہ قربانی کر رہے ہیں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے۔اس کے علاوہ انگلستان کی جماعتیں ساؤتھ ہال، کرائیڈن، ہنسلو ایسٹ لندن، مانچسٹر، جلنگھم بھی ساتھ شامل ہو چکی ہیں۔

اب ایک مختصر سی اپیل کرنی ہے۔افریقہ میں جو غربت ہے اور جو فاقہ کشی ہے اس پر بعض دفعہ حوادث کے ذریعے تکالیف میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے پچھلی تحریک پر جماعت نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے عام حالات میں جو توقع تھی اس سے بہت بڑھ کر قربانی کا مظاہرہ فرمایا اور ان کو جو روپیہ ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ بہترین رنگ میں بھوکوں کو کھانا کھلانے میں استعمال ہوگا۔کچھ ہو رہا ہے اور آئندہ ہم تجویز کر رہے ہیں کہ کس طرح بہتر نتائج حاصل کئے جائیں۔

لائبریا سے چونکہ بہت سے مہاجرین غانا، نائیجریا اور سیرالیون پہنچے تھے اور وہاں کیمپوں میں ان کی حالت بہت بری ہے اس لئے وہاں میں نے ہدایت کی تھی کہ خدام الاحمدیہ وغیرہ دوسری تنظیمیں امیر کے ماتحت منظم پروگرام بنا کر ان کی خدمت کریں ان کی طرف سے اب مطالبے آئے ہیں کہ ہمیں یہ یہ چیزیں چاہئیں یعنی محض روپیہ کافی نہیں ہے بلکہ بعض اجناس چاہئیں۔کچھ ادویہ کی ضرورت ہے وہ ہم انشاء اللہ مہیا کر رہے ہیں۔جہاں جہاں احمدی میڈیکل ایسوسی ایشنز پہلے بھی ایسے کار خیر میں حصہ لیتی ہیں ان کو میں مطلع کرتا ہوں کہ جب دوائیوں کی فہرستیں آئیں گی تو ہم ان کو بھجوائیں گے تو وہ کوشش کریں اور اپنے طور پر بھی اندازہ لگا کر کہ اس علاقے میں کیسی کیسی بیماریاں ہوتی ہیں، جو دوائیں بھی مہیا کر سکتے ہیں وہ مہیا کریں۔دوسرا وہ کہتے ہیں کپڑوں کی بہت تکلیف ہے، چھوٹے بچے عورتیں وغیرہ بہت برے حال میں ہیں بہت گرم کپڑے نہیں چاہئیں بلکہ ٹھنڈے یا

درمیانے کپڑے چاہئیں تو آپ کے گھروں میں یعنی یورپ اور امریکہ، کینیڈا وغیرہ کی جماعتوں میں جہاں ایسے زائد کپڑے ہوں وہ ضرور پیش کریں کیونکہ یہاں سے ہم آسانی سے بھجوا سکتے ہیں اور یہ انتظام انصار اور خدام اور لجنہ مل کر کر سکتے ہیں باہر ملک کے امیر کا کام ہے وہ دیکھ لے۔ اگر کسی ایک مجلس کے سپرد کرنا چاہے تو اس کے سپرد کر دے۔ بحیثیت جماعت کرنا چاہے تو بحیثیت جماعت کرنے والے ہیں وہ اس بات کا خیال کریں کہ یہ ہیں تو بہت غریب اور بہت ضرورت مند لوگ لیکن چونکہ ہم اصل میں ان کو پیش نہیں کر رہے بلکہ خدا کے حضور پیش کر رہے ہیں اس لئے گندے کپڑے جس طرح وہ پنجابی میں کہتے ہیں ناں ''کُجی سے نکلے ہوئے'' ان میں بل پڑے ہوئے برے حال، اس طرح نہ دیں کہ بدبوئیں چھٹی ہوئی ہوں، دھو کر صاف ستھرے کر کے جس طرح آپ اپنے بچوں کو پہنائیں اور شرم محسوس نہ کریں۔ اس طرح کپڑوں کی حالت کر کے پھر پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کی اس قربانی کو قبول فرمائے اور ہمیں بنی نوع انسان کے دکھ بانٹنے اور ان میں سکھ پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے:۔ آمین۔